جو اللہ اور رسول کی امانت کا حق ادا نہیں کرتے وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کی امانت کا کبھی حق ادا نہیں کر سکتے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 ستمبر 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۹﴾ (الانفال: 28، 29)

پھر فرمایا:

ان آیات کا تعلق بھی امانت سے ہے اور امانت ہی کے موضوع پر میں گزشتہ دو تین خطبات دے چکا ہوں اور اس دفعہ بھی انشاء اللہ اسی مضمون کو جاری رکھوں گا۔ اگر یہ وقت سے پہلے ختم ہو گیا تو پھر انشاء اللہ دوسرا مضمون شروع ہوگا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو۔ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اس حالت میں کہ تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو۔

یہ ترجمہ میں نے تفسیر صغیر سے پڑھا ہے اور اب میں اس کے متعلق عمومی گفتگو کرنے لگا ہوں کہ اس آیت میں کیا کیا معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ یعنی عمومی خطاب ہے کہ اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو۔ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ کا ایک مطلب

یہ ہے' تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم اپنی آپس کی امانتوں میں بھی خیانت کرو گے۔' وَ تَخُوْنُوْٓا ، واؤ حالیہ بن جاتی ہے اس حال میں، گویا اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ کہ تم اپنی امانتوں کی بھی خیانت کر رہے ہو اور یہ دونوں مضمون آپس میں گہرے طور پر متعلق ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور رسول کی خیانت کی جائے اور اپنی امانتوں کی خیانت نہ کی جائے۔ جو اللہ اور رسول کی خیانت کرتا ہے اس کے لئے ممکن کیسے ہے کہ وہ آپس میں اپنی امانتوں میں دیانتداری سے کام لے رہا ہو۔

پس ساری سوسائٹی کو اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ بات اللہ اور رسول کی امانت سے شروع ہوگی۔ جو اللہ اور رسول کی امانت کا حق ادا نہیں کرتے وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کی امانت کا کبھی حق ادا نہیں کر سکتے اور ان لوگوں کی یہ پہچان بڑی آسان ہے۔ اپنے معاشرہ میں وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم بہت امین ہیں، ہم ہرگز خیانت سے کام نہیں لیتے، ہم وعدوں کے پکّے ہیں، ہم سے معاملہ کرو۔ اگر وہ یہ کہتے ہوں اور اللہ اور رسول کی خیانت کرتے ہوں، اس سے کیا مراد ہے؟ ایک نماز با قاعدہ نہ پڑھتے ہوں اور قرآن کریم نے جو تعلیمات دی ہیں ان پر کوئی عمل نہ ہو۔ تو ایسا شخص جو نمازوں کے قریب نہ جائے، اور خدا کی راہ میں مالی قربانی نہ کر سکتا ہو، جو صدقہ و خیرات میں امانت کا حق ادا نہ کر رہا ہو کہ جس نے اسے دیا اس کی راہ میں اسے واپس لوٹا دے۔ تو یہ لوگ پہچانے جا سکتے ہیں۔ بہت ہی ایسا دھوکا دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اُن عقل والوں پر کہ اِن کا دھوکا کھا جاتے ہیں۔ جو اللہ اور رسول کی امانت کا حق ادا نہیں کرتے وہ سوسائٹی میں بالکل ظاہر و باہر ہیں۔ ناممکن ہے کہ وہ اپنے چہرے چھپا سکیں۔ جب اُن سے معاملہ کرتے ہو تو پھر لازماً خائن سے معاملہ کرتے ہو۔ جو اللہ اور رسول کی امانت کا حق ادا نہیں کر رہا وہ آپس میں ایک دوسرے کی امانت کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے اور ہمیشہ جماعت کے وہ دوست جو سادہ ہیں، یعنی حماقت کی حد تک سادہ، وہ ایسے لوگوں کے ڈسے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعد میں شکایتیں بھیجتے رہتے ہیں کہ ہمیں فلاں نے مار دیا۔ بہت پکا وعدہ کیا تھا کہ میں بہت امین ہوں تمہاری امانت کا خیال رکھوں گا لیکن ہم اس دھوکے میں آ گئے۔

اس مضمون میں ایک اور بات بھی ہے جو میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں اب پھر اس کو دہرانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایسے لوگ جب سودا کرتے ہیں تو وہ خود بھی خائن ہوتے ہیں۔ یہ خیال بالکل جھوٹ ہے کہ وہ خود تو بڑے دیانتدار ہیں مگر خائن کے دھوکے میں آ گئے۔ اگر دیانتدار ہوتے تو ایسے

شخص سے سودا کرتے ہی نہ۔ ان کے اپنے مفادات وابستہ ہوتے ہیں اس سودے سے جو ناجائز ہوتا ہے۔ مثلاً ایسی شرطوں پر ایسے خائن لوگ رقمیں مہیا کرتے ہیں یا کرنے کا وعدہ کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ دراصل سودی شرائط ہوتی ہیں اور دئے ہوئے پیسے کے بدلے بہت پیسے کی توقع رکھتے ہیں۔ تو بعد میں جب وہ شکوہ کرتے ہیں تو بھول جاتے ہیں کہ خود بھی خائن ہی تھے۔ اگر وہ خائن نہ ہوتے تو خائنوں سے سودے کرتے ہی نہ اور وہ شخص جو خائن نہ ہو وہ پوری احتیاط کیا کرتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں سے سودا کرتا ہے جو اللہ اور رسول کی امانت ادا کرنے والے ہوں اور پھر اگر ان کے سوا کسی سے سودا کرنا پڑے تو وہ ان سے پورے کاروباری تحفظات حاصل کرتا ہے۔ پھر کسی شکایت کا سوال نہیں پھر دُنیا کی عدالتیں اس کو آپ پکڑیں گی اگر تحفظات کا خیال رکھا جائے۔ تو اس پہلو پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت میں سے ایسے خائنوں کو علیحدہ کرنا ممکن ہے اور واضح ہے یعنی وہ جو خیانت کے نام پر سودا کرتے ہیں یا خائن سے سودا کرتے ہیں دونوں ہی خائن ہیں۔ جب ان کی شرائط دیکھی جائیں تو صاف پتا چل جاتا ہے کہ سودا کرنے والا بھی خائن ہے۔ چنانچہ میں نے بارہا تجربہ کیا ہے۔ ایک شخص نے یہ شکایت کی کہ میرے ساتھ ظلم ہو گیا، دھوکا ہو گیا، جو رقم کہی گئی تھی وہ ادا نہیں کی گئی۔ جب میں نے شرائط منگوائیں تو پتا چلا کہ وہ شرائط ہی سود کی تھیں۔ تو جو شخص خود اتنا خائن ہو کہ سودی شرائط پر اپنا روپیہ لگانے پر محض اس لئے آمادگی ظاہر کرے کہ اسے زیادہ پیسے مل رہے ہیں جو دُنیا کے بینک کے دوسرے سودی کاروبار کرنے والے بھی کبھی نہیں دے سکتے تو یہ لوگ ہیں جن پر کڑی نظر رکھنی ضروری ہے۔ میری پوری کوشش ہے کہ ہمارا معاشرہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاک اور صاف ہو جائے اور اندرونی جھگڑے اور ایک دوسرے پر شکوے شکایات ختم ہوں کیونکہ اندرونی جھگڑے اور شکوے شکایات وحدت کے رستے میں روک پیدا کرتے ہیں۔ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ایسی صورت میں تم اپنی امانتوں میں خیانت کرو گے۔ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اس تَعْلَمُوْنَ کا ایک بہت لطیف معنی یہ ہے کہ خائن کو پتا ہوتا ہے کہ میں خیانت کر رہا ہوں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ خائن خیانت کرے اور بعد میں لاعلمی کا اظہار کرے۔

خیانت ایک ایسی چیز ہے جو انسانی فطرت میں ودیعت ہی نہیں کی گئی اور یہی بات ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ہم پر خوب کھولی ہے کہ خیانت انسانی فطرت میں ودیعت

نہیں کی گئی اور ہر چیز ودیعت کر دی گئی ہے۔تو اس پہلو سے وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا مطلب ہے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی خائن ہو اور اسے علم نہ ہو کہ میں خائن ہوں۔ بعد میں اللہ کی جتنی قسمیں چاہے کھائے جب آپ اس کے سودوں پر غور کریں گے تو صاف دکھائی دے دے گا کہ بغیر علم کے اس نے سودا کیا ہی نہیں تھا، اچھا بھلا جانتا تھا کہ میں بھی خائن ہوں اور جس سے سودا کر رہا ہوں وہ بھی خائن ہے۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اب خیانت کی وجہیں دو ہو سکتی ہیں، دونوں بیان فرما دی گئیں۔ اوّل یہ کہ تمہارے اموال فتنہ ہیں۔تم جب اموال کو بڑھانے کی کوشش کرو گے اور ناجائز طریق پر بڑھانے کی کوشش کرو گے تو یہ فتنہ ہے۔وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اور بعض دفعہ اولاد کی خاطر، محض اپنی ذات کی خاطر نہیں بلکہ اولاد کی خاطر بددیانتیاں کی جاتی ہیں، عہد توڑے جاتے ہیں۔ تو دونوں کا ذکر فرما دیا۔وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور اگر تم اجر چاہتے ہو جو تمہیں بھی ملے اور تمہاری اولاد کو بھی ملے اور اس عارضی فائدہ سے بہت زیادہ ہو جو تم دھوکا بازی سے حاصل کرتے ہو تو اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔اس دُنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی ہے۔تعجب ہے کہ ان واضح کلمات کے باوجود پھر لوگ اللہ پہ توکل کیوں نہیں کرتے۔ جب اللہ خیانت کے خلاف تعلیم دے رہا ہے تو خود کیسے خائن ہو سکتا ہے۔ وہ عہد شکنی کے خلاف تعلیم دے رہا ہے تو خود عہد شکن کیسے ہو سکتا ہے۔اس میں تو اللہ نے عہد کر لیا ہے کہ تم میری خاطر خیانت چھوڑ دو، میری خاطر دھوکا بازی سے پرہیز کرو۔اگر واقعۃً تم نے میری خاطر ایسا کیا ہوگا تو جو تم اجر چاہتے ہو ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ تمہیں بہت وسیع اجر دے گا اور یہ امر واقعہ ہے کہ دیانتدار لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی اجر عطا فرماتا ہے اور اتنا عطا کرتا ہے کہ محاورہ میں کہتے ہیں چھپّر پھاڑ کے عطا کرتا ہے۔اس کی کثرت سے مثالیں پرانے زمانہ میں بھی ہیں اس نئے زمانہ میں بھی ہیں یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور کی بھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب راجہ کشمیر کے دربار میں طبابت کرتے تھے اور ملازمت کر رہے تھے اس زمانہ میں آپؓ نے وقتی ضروریات کے لئے، وہ ضروریات کیا تھیں لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے، بہت قرض اٹھائے اور نیت یہ تھی کہ میں لازماً قرض ادا کروں گا۔ اب اس زمانہ کے لحاظ سے اندازہ کریں کہ ایک لاکھ پچانوے ہزار قرض ہو گیا اور اس زمانہ میں یہ رقم

تو آج کل کے کروڑوں ہوگی۔ اور آپؓ کی سادہ زندگی، اپنی ذات پہ بالکل معمولی خرچ۔ تو یہ بات اس سے قطعی طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ آپؓ نے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی خاطر محض اللہ کی رضا کے لئے قرض اٹھائے اور چونکہ نیت تھی کہ میں نے لازماً قرض ادا کرنا ہے اس لئے توکل بھی ساتھ تھا۔

اب یہ اجر عظیم کا قصہ سنئے۔ جب راجہ نے آپؓ کو فارغ کر دیا اور آپؓ ریاست سے روانہ ہونے لگے تو آپؓ کے پاس اس وقت پانچ روپے تھے یا کتنے تھے، بہت معمولی رقم تھی۔ وہ آپؓ نے جو ایک لاکھ پچانوے ہزار کا قرض خواہ تھا اس کو ادا کر دئے۔ مجھے یاد نہیں بعینہٖ پانچ سو رقم تھی یا جتنی بھی تھی یا پانچ ہزار تھی وہ اس کو بھیجی تو اس نے کہلا کے بھیجا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو اس طرح قرض ادا ہوگا ایک لاکھ پچانوے ہزار!؟ آپؓ نے فرمایا اس وقت میرے پاس یہ تھا اور دیانت داری کا تقاضا تھا کہ جو ہے میں تمہیں دے دوں باقی تمہارا قرض ضرور ادا ہوگا یہ میرا وعدہ ہے۔ چنانچہ جب آپؓ روانہ ہوئے تو اس وقت جو پاس تھا وہ اس کو دے دیا لیکن روانگی سے پہلے ایک ہندو بنیا آپؓ کو سمجھا رہا تھا کہ آپ کیا خدا والی باتیں کر رہے ہیں دُنیا میں خدا والوں کا گزارا نہیں ہوا کرتا، یہ محض وہم ہے آپ کا، کس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں لوگوں کو دے دے کر قرضے چڑھا لئے، برے حال اور اب حال یہ ہے کہ وہ جو بنیا اس وقت تھا جس نے بغیر سود کے پیسہ دیا مگر ویسے وہ سود خور بنیا تھا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے احترام میں اس نے یہ رقم بغیر سود کے دی تھی وہ تو اب مطالبہ میں سختی کرے گا۔ اس کے بیٹھے بیٹھے اس بنئے کا پیغام آیا جس نے اعتراض کیا تھا کہ آپؓ یہ کیا رقم بھیج رہے ہیں، کہ آپؓ جا رہے ہیں اگر کچھ اور ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ امین کی نیکی کا اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ جس نے قرضہ لینا ہے وہ بھی احترام کرتا ہے۔ اس پر وہ بنیا بولنے لگا دیکھو پاگل ہو گیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ پکڑائے گا، جیل بھیجے گا وہ اُلٹا جانے سے پہلے کہہ رہا ہے کہ کچھ اور بھی لے لو مجھ سے اور بیٹھے بیٹھے ایک اور آدمی آ گیا اس نے اپنی خدمات آپؓ کے سامنے پیش کر دیں لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے کسی سے استفادہ نہیں کیا۔ مگر دیکھیں اللہ نے کیا انتظام کیا۔ جب آپؓ چلے گئے تو ایک بہت بڑے لکڑی کے کاروبار کا جنگل کا ٹھیکہ تھا اس ٹھیکہ میں بہت بڑھ بڑھ کر بولیاں دینے والے موجود تھے۔ راجہ نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس شخص کو یہ ٹھیکہ دوں گا جو نصف حصّہ حکیم نورالدین کو دے گا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی دیر رہے ہیں نہایت امانت سے اور دیانتداری سے رہے ہیں اس لئے اس غریب

کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہ اس نے ٹھیکہ کی شرط کر لی۔ اب یہ اللہ کے سوا کون اس کے دل میں ڈال سکتا تھا اور ٹھیکہ کی جو نصف رقم حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ہاتھ آئی ایک لاکھ پچانوے ہزار تھی، کم نہ زیادہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بتانے کے طریقے ہیں۔ اے میرے بندے! تو نے مجھ پر توکل کیا تھا میں تمہیں دکھا رہا ہوں کہ اس طرح توکل کرنے والوں کو میں جزاء دیا کرتا ہوں اور اس کو کہتے ہیں اجر عظیم۔ اب دیکھیں دوبارہ پھر اگلے سال اس کو ہی ٹھیکہ ملا اور اسی شرط کے ساتھ۔ جب اس نے وہ رقم جو تقریباً اتنی ہی یا اس سے زیادہ تھی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو بھجوانے کے لئے ان کو لکھا تو آپؓ نے کہا یہ تو میری نہیں ہے۔ میری جتنی تھی وہ مجھے مل گئی اور مجھے کوئی غرض نہیں یہ بقیہ منافع اپنے پاس ہی رکھیں۔

(مرقات الیقین فی حیاتِ نورالدّین مرتبہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی صفحہ:185،186)

یہ سودے ہیں جو امانت کے سودے ہیں، دیانت کے سودے ہیں، اللہ کے عہدوں کے پاس رکھنے والوں کے سودے ہیں۔ اس پر اللہ کیسے اپنے وعدوں میں خیانت کر سکتا ہے، اپنے وعدوں سے پھر سکتا ہے۔ فرمایا وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ تو یہ لوگ سن لیں اور یاد رکھیں کہ اگر اولاد اور اموال کی پرواہ نہیں کریں گے اور خالصۃً اللہ کے لئے دیانت اور امانت پر قائم رہیں گے تو اللہ بہت بڑے اجر والا ہے اور وہ اجر جو آخرت میں ملنا ہے وہ اس کے علاوہ ہے، اس کا حساب کتاب ہی کوئی نہیں۔ یہ دُنیا کے اجر کی باتیں کر رہا ہوں لیکن بہت سے لوگوں سے یہ سلوک دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غلط بات ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ یہ سلوک نہ ہو رہا ہو وہ اپنے دل کی چھان بین کریں، اپنی نیتوں کو کھنگالیں کیونکہ لازماً اللہ کی بات درست ہے اور ان کا جائزہ غلط ہے۔ میرے علم میں ایسے احمدی دوست ہیں جو بعینہٖ اس نصیحت پر عمل کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اللہ کا بالکل یہی معاملہ ہے کبھی بھی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے بے اعتنائی نہیں کی، ہمیشہ ان کی ضرورتیں پوری ہوئی ہیں اور ہمیشہ غیب سے پوری ہوئی ہیں اور اسی رنگ میں پوری ہوئی ہیں کہ بعینہٖ جتنی ضرورت تھی اتنی ہی عطا کی گئی تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کی طرف سے عطا ہے۔ تو یہی امانت کا مضمون ہے جس کو میں حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت کے حوالہ سے بیان کر رہا تھا اور اس کا آخری حصّہ رہ گیا تھا یعنی اس پر تبصرہ، اب میں وہیں سے اس مضمون کو اٹھاتا ہوں۔ حضرت حذیفہؓ یہ بیان کرتے ہیں،

یہ صحیح بخاری کتاب الرقاق سے روایت لی گئی ہے، آخر پر کہتے ہیں کہ:

''مجھ پر ایک زمانہ ایسا آیا کہ میں تم میں سے کسی کے ساتھ بھی لین دین کے معاملہ میں پروانہیں کرتا تھا۔''

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ خلفائے راشدین کا وہ زمانہ جس میں اسلامی نظام فی الحقیقت جاری تھا۔ فرماتے ہیں:

''مجھ پر ایک ایسا زمانہ آیا کہ میں تم میں سے کسی کے ساتھ بھی لین دین کے معاملہ میں پروانہیں کیا کرتا تھا، مجھے چھان بین کی ضرورت ہی کوئی نہیں تھی۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسلام اس سے میرا حق دلوا دیتا۔''

یعنی جو اسلام نافذ تھا اُس وقت وہ حقیقی اسلام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام تھا جس میں خائن کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

''تو اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسلام اس سے میرا حق دلوا دیتا۔ اگر وہ عیسائی ہوتا یا کوئی اور تو حکمران اس سے میرا حق دلوا دیتے۔''

کیونکہ حکمران مسلمان تھے۔ کہتے ہیں پرواہ ہی نہیں ہوئی، کبھی کوئی پیسہ ضائع نہیں گیا۔ جب بھی سودا کیا کامل یقین کے ساتھ کہ ایک ایسے معاشرہ میں سودے کر رہا ہوں جہاں حاکم مسلمان ہیں اور اسلام کی رو سے فیصلے کرتے ہیں۔

''مگر آج تو میں صرف فلاں شخص سے لین دین کرسکتا ہوں اور فلاں شخص سے۔''

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ، حدیث نمبر:6497)

اشارے کر کے بتایا کہ بہت دور دور پھیلے پڑے ہیں یہ لوگ کیونکہ اب حکومت بھی وہ نہیں رہی جو اسلام کے تقاضے پورے کرنے والی ہو اور مجھے بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے، سودے کے لئے ڈھونڈنا پڑتا ہے، شاذ شاذ کے طور پر ایسے آدمی ملتے ہیں۔ تو جماعت احمدیہ میں تو یہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تو دعویٰ کرتے ہیں وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ (الجمعۃ:4) کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اٰخَرِيۡنَ میں سے ہیں لیکن ان سے وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ سے ملا دے گا۔ تو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان تو یہ ہے کہ اس وقت کہیں شاذ شاذ آدمی کی تلاش نہیں رہا کرتی تھی، جس

سے سودا کرو ٹھیک ہوتا تھا۔تو حقیقی احمدی معاشرہ تو وہ ہے اس کے بننے میں دیر لگے یا بنانے میں دیر لگے جہاں تک نظام جماعت کا تعلق ہے وہ جو اس کو چلانے کے ذمہ دار ہیں ان کا فرض ہے کہ مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ یہ آخری نقطہ ہے جس تک ہم نے لازماً پہنچنا ہے کیونکہ اگر:

صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا

(الحکم جلد 5 نمبر 45 صفحہ:4 مؤرخہ 10 دسمبر 1901ء)

پر عمل کرنا ہے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اعتماد کو اپنی ذات میں پورا کرنا ہے کہ جب مجھے پالیا تو صحابہؓ سے مل گیا تو پھر اس معاشرہ کی تخلیق کرنی ہے اس معاشرہ کی تعمیر کرنی ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ محنت تو بہت کرنی پڑے گی مگر ہو جائے گا انشاء اللہ۔ اگر ہم یہ کر سکیں تو ساری دُنیا کے لئے نمونہ بن جائیں گے۔ آج یہ نمونہ کہیں ہے ہی نہیں۔ تلاش کر کے دیکھ لیں سب دھوکے، سب جھوٹ ہیں۔

میں نے ایک مثال شاید پاکستان کی پہلے بھی بیان کی تھی جب یہ ایٹم بم کا دھماکہ ہوا تو اتنا جوش تھا پاکستانیوں کے دل میں اپنے وطن کی محبت کا کہ جب ایک آواز دی وطن سے کسی نے یعنی وزیر مال نے یا خود وزیر اعظم نے کہ اپنا روپیہ یہاں بھجواؤ ہمیں ڈالرز کی ضرورت ہے، ہمیں پونڈوں کی ضرورت ہے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جو روپیہ تم پونڈوں میں یا ڈالرز میں بھجواؤ گے تم جب چاہو گے تمہیں پونڈوں اور ڈالرز میں مل جائے گا اور جب وعدہ کیا تو خیانت کی اور اب کل ایک بینک والے مجھے ملنے آئے تھے وہ کہہ رہے تھے بینک خالی پڑے ہیں، کچھ بھی نہیں رہا۔ میں افسر ہوں۔ ایک زمانہ میں جب ریل پیل تھی بیرونی روپے کی تو اتنا کاروبار تھا کہ رات کو بھی ختم نہیں ہوتا تھا اور مجھے مجبوراً لمبا وقت بینک میں لگانا پڑتا تھا۔ کہتے ہیں اب خالی کرسیاں ہیں کوئی آنے والا نہیں، اکیلے بیٹھ کے بمشکل بینک کا وقت گزارتا ہوں کیونکہ اس وقت میں حاضری دینی ضروری ہے مگر خالی خولی، خالی لفافہ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ یہ جزا ہے خائن کی اور یہ لوگ سمجھتے نہیں۔ اگر یہ امانت کا حق ادا کرتے تو اتنی کثرت سے پاکستانی قوم نے جو باہر پھیلی پڑی ہے اتنا روپیہ بھجنا تھا کہ کسی قسم کی کوئی کمی آ ہی نہیں سکتی تھی، ناممکن تھا۔ اب اس کا بد اثر یہ ہے کہ اندرونی تجارتیں تباہ ہوگئی ہیں ساری، مہنگائی کا جو دور شروع ہوا ہے روپے کی قیمت گرتی چلی جارہی ہے بیرونی کرنسی کی بڑھتی چلی جارہی ہے۔

یہ سارے آپس میں متعلق امور ہیں اور یہ پھل ہے بددیانتی کا اور عہد شکنی کا۔ تو عہد شکنی بہت خطرناک چیز ہے۔ ایک آدمی سمجھتا ہے کہ میں نے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیا ہے عہد شکنی کر کے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی ساری برکتیں اٹھ جاتی ہیں اور اس کی اولاد سے بھی برکت اٹھ جاتی ہے۔ خائن لوگوں کی اولادیں دین سے سرکنے لگتی ہیں اور رفتہ رفتہ ایسے بدانجام کو پہنچتی ہیں کہ پھر وہ روتے پھرتے ہیں کہ ہماری اولاد تباہ ہوگئی حالانکہ یہ سارے خیانت کے اثرات ہیں۔ پس اس مضمون کو معمولی نہ سمجھیں۔ میں جتنا اس پر زور دے رہا ہوں وہ زیادہ نہیں بلکہ کم ہے۔ یہ تو ایسا سلسلہ ہے جس پر کئی سال لگ سکتے ہیں اسی مضمون پر مگر میں نے سوچا ہے کہ وقتاً فوقتاً کچھ وقفہ دے دے کر پھر دوبارہ اسی مضمون کی طرف لوٹوں گا۔

سنن أبي داؤد سے ایک روایت لی گئی ہے۔ حضرت سفیانؓ بن اُسید حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

”یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی کو ایک بات سنائے جس میں وہ تجھے سچا سمجھے مگر تُو اس میں جھوٹا ہو۔“

(سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في المعاریض، حدیث نمبر: 4971)

یہ بہت احتیاط کی ضرورت ہے، غالباً میں پہلے بھی اس مضمون کو بیان کر چکا ہوں ایک دوسری حدیث کے حوالہ سے کہ بات کریں تو دیکھیں کہ آپ کو وہ سچا سمجھ رہا ہے کہ نہیں۔ اگر سچا سمجھ رہا ہے اور آپ سچے نہ ہوں تو اس جھوٹ کا سارا وبال آپ کی جان پہ آجائے گا۔ بعض لوگ غلطی سے یا عادتاً مبالغہ آمیزی کرتے ہیں اور اپنی طرف سے زیب داستاں کے لئے بڑھا بھی دیتے ہیں لیکن جو ان میں سے تقویٰ شعار ہیں ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل تو جاتی ہیں مگر وہ مجلس برخواست کرنے سے پہلے بتا دیا کرتے ہیں کہ مجھے لگتا ہے تم اس کے ظاہر پر ایمان لے آئے ہو میں تو لطیفہ کے رنگ میں یہ بات کر رہا تھا مگر اگر تم مان گئے ہو تو یہ غلط ہے۔ یہ ایک کہانی سی ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر اس طرح وضاحت کر دیں تو پھر جھوٹ نہیں ہوگا کیونکہ اس حدیث میں یہ ہے ”جس میں وہ تجھے سچا سمجھے۔“ اگر بھائی سچا سمجھ رہا ہے اور وہ بات نہ ہو تب یہ جھوٹا بنتا ہے اور اگر بھائی جھوٹا ہی سمجھ رہا ہے تو یہ مسئلہ ہی اور ہے۔ دنیا میں اکثر سچوں کو جھوٹا ہی کہا گیا ہے اور ان کو جھوٹا ہی سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ مسئلہ بالکل اور ہے اس لئے سچا سمجھنے والی بحث ہے صرف۔

مسند احمد بن حنبل جلد نمبر 7 صفحہ 252 مطبوعہ بیروت میں یہ روایت درج ہے:

''عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ، حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن ہر قسم کی عادتوں اور خصلتوں پر پیدا کیا جاتا ہے سوائے خیانت اور کذب کے۔''

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابة، مسند ابی امامة، مسند نمبر: 22170)

اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے تو اس کی فطرت میں کذب اور خیانت ہو ہی نہیں سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر بہت ہی گہرائی سے اور لطیف روشنی ڈالی ہے۔ بچوں کے اپنی ماؤں کے دودھ سے وابستہ ہونے اور غیر ماؤں کو قبول نہ کرنے کا مسئلہ آپ نے اسی حوالہ سے چھیڑا ہے۔ جب ایک ماں اپنا دودھ چھڑا کر جو صحت والا دودھ ہو دوسری دائی کو دینے کی کوشش کرتی ہے تو بچہ اکثر اس سے منہ پھیر لیتا ہے، طرح طرح کے اس کو حیلے کرنے پڑتے ہیں تا کہ بچہ وہ دوسرا دودھ پی لے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی امر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی وابستہ کر دیا۔ فرمایا دیکھو بچپن سے ہی امین تھا اس کی فطرت میں امانت تھی۔ اس نے دوسری ہر دائی کا دودھ پینے سے انکار کر دیا حالانکہ عام طور پر جب بچوں کو ضرورت پڑتی ہے بھوک سے بلبلائیں تو آخر مجبور ہو کر کچھ نہ کچھ دوسری دائیوں کے دودھ پر بھی منہ مارنا پڑتا ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مضمون کے حوالہ سے بیان کیا امانت کے مضمون کے لحاظ سے، یعنی روایت تو بیان نہیں کی جو میں پڑھ رہا ہوں لیکن اسی مضمون کو قرآنی آیات کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ امانت فطرت میں ہے اور اس کو بچوں سے بھی سیکھو اور خصوصاً موسیٰ علیہ السلام سے سیکھو، بچپن سے وہ امین تھا تو خدا نے اس پر امانت کا بوجھ ڈالا۔

پس یہ دیکھیں کتنی لطیف بات ہے کسی عام انسان کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی۔ ایک عارف باللہ ہے جو اس گہرائی تک اترتا ہے اور پہنچتا ہے اور پھر لوگوں کو دکھاتا ہے۔ اس سے پہلے کسی تفسیر کی کتاب میں یہ حوالہ آپ کو نہیں ملے گا کہ بچے جو ماں کا دودھ پیتے ہیں ان سے امانت سیکھو۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن ہر قسم کی عادتوں اور خصلتوں پر پیدا کیا جاتا ہے سوائے خیانت

اور کذب کے لیکن اس روایت میں ایک اور چیز بھی غور طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ بچہ خدا کی صفات پر پیدا کیا جاتا ہے تو ہر قسم کی صفات سے کیا مراد ہوئی پھر۔؟ دراصل خدا کی صفات میں بھی مختلف اقسام داخل ہیں کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ (الرحمٰن:30) ہر دن اس کی ایک الگ شان ظاہر ہوتی ہے۔ اب بنیادی صفات تو نہیں بدلتیں لیکن ان کے تابع نئی نئی شانیں انہیں صفات کی ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انسان کو بھی جو صحیح فطرت پر پیدا کیا گیا ہے خدا تعالیٰ یہی کچھ ودیعت فرماتا ہے۔ پس یہ جو فرمایا گیا کہ ہر قسم کی عادتوں پر پیدا کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث غلط ہے یا قرآن کریم کی وہ آیت غلط ہے جس میں بچے کے مولود علی فطرت کا ذکر ہے۔ ہر قسم کی عادتوں میں یہ بھی مضمون داخل ہے کہ اگر سب فطرت پر ہوتے اور ایک جیسی عادتیں ہوتیں تو ساری انسانی سوسائٹی Monotonous ہو جاتی۔ اس میں ایک ایسی یگانگت پیدا ہوتی کہ اس سے طبیعتیں اُکتا جاتیں لیکن میں بگڑے ہوؤں کی بات نہیں کر رہا وہ تو بگڑ ہی جاتے ہیں۔ وہ فطرت کو چھوڑ کر ان کے ماں باپ ان کو غلط بناتے ہیں میں ان کی بات نہیں کر رہا، ان کی کر رہا ہوں جو فطرت پر قائم رہتے ہیں اس کے باوجود ان کے الگ الگ مزاج ہیں۔ پس یہ مراد ہے کہ الگ الگ عادتوں پر پیدا کیا گیا ہے۔

ہم نے بچپن میں وہ دور دیکھا جب قادیان صحابہؓ سے بھرا پڑا تھا اور ہر صحابی کا الگ مزاج تھا، اس کی الگ الگ عادتیں تھیں اور تھے سارے فطرت پر۔ تو یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ فطرت پر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سوسائٹی بعینہٖ ایک دوسرے سے مشابہ ہو جائے، ایک دوسرے سے مشابہ تو ہوتی ہے بنیادوں میں لیکن بعینہٖ نہیں ہوتی ان کے اندر مزاج مزاج کا فرق ہے۔ چنانچہ اب میں غور کرتا ہوں اور پرانے زمانہ کی باتیں یاد کرتا ہوں تو مجھے ایک مثال بھی نظر نہیں آتی کہ دو صحابہؓ بعینہٖ ایک جیسے تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے الگ الگ ہونے میں بھی خدا ہی جھلکتا تھا اور خدا کی مختلف شانیں ان سے عیاں ہوتی تھیں اور عجیب دل کشی تھی سوسائٹی میں کہ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا مختلف شانیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی یکجا ہو گئی تھیں۔ تو اس شمع سے ہم نے نور حاصل کرنا ہے جس میں خدا کے یہ سارے رنگ پائے جاتے ہیں اور رنگ جدا جدا ہونے کی بجائے شمع ایک ہی رہتی ہے۔ پس اس چھوٹی سی حدیث میں حضرت اقدس محمد

رسول اللہ ﷺ نے بہت گہرے مضمون بیان فرمادئے ہیں کہ مومن ہر قسم کی عادتوں اور خصلتوں پر پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ مومن بعینہٖ ایک دوسرے جیسے ہوتے ہیں۔ اور صحابہؓ پر بھی غور کر کے دیکھیں کوئی صحابی دوسرے سے نہیں ملتا۔ ہر ایک الگ الگ ہے، ہر ایک کا الگ الگ مزاج اور الگ الگ شان ہے مگر وہ ساری شانیں آنحضرت ﷺ سے اخذ کر کے پھر انہوں نے اپنے برتنوں میں سجالیں۔

ایک حدیث سنن الترمذی کتاب البرّ سے لی گئی ہے۔ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

> ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے ،وہ نہ اس کی خیانت کرے، نہ اسے جھٹلائے اور نہ اس کو رسوا کرے۔''

(سنن الترمذی،ابواب البرّ والصلۃ،باب ماجاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم ،حدیث نمبر:1927)

اب یہ بات بہت عجیب ہے کہ اسے جھٹلائے نہیں اگر کوئی جھوٹ بولے گا تو اسے جھٹلانا بھی پڑے گا لیکن اس میں صحابہؓ کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا سچے مومن جو میرے خلق پر، مجھ سے خلق سیکھ کر مختلف رنگ اختیار کر گئے ہیں ان میں جھوٹ تم نہیں دیکھو گے۔ پس ایک نیک انسان دوسرے نیک انسان کو اس لئے جھٹلا دے کہ اس کو تعجب ہوا س بات پر یہ درست نہیں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا نہ اس کی خیانت کرے، نہ اسے جھٹلائے۔ یہ بہت گہری اور عظیم تعلیم ہے یعنی جھٹلانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہو نہیں سکتا کہ کوئی صحابیؓ جو سچا مومن ہو اور یہاں تو چونکہ عمومی بات ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے یہ آج بھی اطلاق پا رہی ہے مگر میں صحابہؓ کی بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو دیکھ کر ان سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا ہے اور تمام وقتوں سے، تمام دنیا کے مسلمانوں سے وہی توقع رکھی ہے جو سچی مسلمانی کی نشانیاں تھیں کہ خیانت نہ کرے اور اسے جھٹلائے نہیں اور نہ اسے رسوا کرے۔

اب یہ بات میرے تجربہ میں ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص بات بیان کر رہا ہوتا ہے وہ ویسے سچا ہوتا ہے لیکن بات غلط بیان کر رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ بات کو بعض دفعہ سمجھ نہیں سکتا۔ اب وہ لاعلمی میں کم فہمی کے نتیجہ میں اگر بات نہ سمجھ سکے تو اس کو آپ جھٹلا نہیں سکتے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں تمہاری بات کو مانتا ہوں مگر تم بات سمجھے نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے متعلق یہ روایت ہے

کہ مدینہ کی گلیوں میں آواز دینے لگ گئے کہ مَنۡ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الۡجَنَّۃَ۔ جس نے بھی کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو گریبان سے پکڑ لیا کہ یہ تم کیا کہتے پھر رہے ہو۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فرمایا ہے۔ اب اس کو وہاں جھٹلایا نہیں مگر سمجھ گئے کہ یہ بات سمجھا نہیں اسی طرح گریبان سے پکڑے گھسیٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے کہا تھا۔ نہ یہ سمجھا ہے نہ اس سے لوگ ٹھیک سمجھیں گے کچھ کا کچھ مضمون بنالیں گے ہر ایک یہ کہے گا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اس کے بعد وہ سمجھے گا کہ جنت میں داخل ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات قبول فرمائی۔ ٹھیک کہتے ہو۔ اگر محض یہی آواز دی جائے تو جس طرح ابو ہریرہؓ کو بات کی سمجھ نہیں آئی کثرت سے لوگ اس مضمون کی حقیقت کو نہ سمجھ سکتے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من لقی اللہ بالایمان وھو غیر شاك فیہ دخل الجنۃ، حدیث نمبر:147)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی پہلو سے حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق فرمایا ہے کہ سادہ دماغ کے تھے اور روایتوں کو سمجھنے میں غلطی کر جایا کرتے تھے۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ:36) بہت سے غیر احمدی علماء نے اس پر مسیح موعودؑ کے متعلق اعتراض کیا ہے کہ یہ دیکھو، یہ کون ہوتا ہے صحابہؓ کو اور ان میں سے ابو ہریرہؓ کو موٹے دماغ کا کہنے والا۔ حالانکہ اس حدیث سے جو میں نے پڑھی ہے بالکل یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت عمرؓ نے جو بات بیان کی آپ ﷺ نے تسلیم فرمائی اور کئی ایسی روایات ہیں جو بے چارے سمجھ نہیں سکے۔ بیان میں سچے تھے یہ وہ بات ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جھٹلاؤ نہیں۔ ایک روایت بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی جھوٹی نہیں ہے مگر ہر روایت قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ اگر آپؓ کی ساری روایتوں کو ان کی درایت کے لحاظ سے ان کے مضمون کے لحاظ سے درست تسلیم کیا جائے تو حدیث کی دنیا میں ایک فساد برپا ہو جائے گا۔ پس دیکھیں حضور اکرم ﷺ کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں کتنے گہرے اسرار ہیں۔ ’’اسے جھٹلائے نہیں اور نہ اس کو رسوا کرے۔‘‘ کیونکہ جب اسے جھٹلاؤ گے تو لوگوں کے سامنے لازم ہے کہ وہ رسوا ہوگا اور رسوا نہ کرنے کا مضمون ویسے بھی ہے۔ کوئی سچا مومن اپنے بھائی کو رسوا نہیں کیا کرتا۔ ایسی باتیں اس کے متعلق نہیں کہتا جس کی وجہ سے

سوسائٹی میں اس کی عزت اور وقار کم ہو جائیں۔ اگر اس کی سادگی کی بات کرتا ہے تو پیار اور محبت سے اس رنگ میں کرتا ہے کہ اس شخص پر اس کی سادگی پر بھی پیار آتا ہے مگر رسوائی نہیں ہوتی اس میں، تو رسوا نہ کرنے سے اس مضمون کو پوری طرح کھول دیا گیا۔ چنانچہ اس کے برعکس یہ بھی فرمایا:

''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت فرض ہے، مال اور خون حرام ہے، تقویٰ یہاں پر ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تقویٰ یہاں پر ہے تو اپنے دل پر ہاتھ لگایا (یعنی دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انگلی چھاتی پہ لگائی) تقویٰ یہاں پر ہے۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تین دفعہ آپ ﷺ نے بار بار دہرایا کہ تقویٰ یہاں پر ہے، تقویٰ یہاں پر ہے۔ مطلب ہے کہ تقویٰ کے گر سیکھنے ہیں تو مجھ سے سیکھو۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب تحریم ظلم المسلم، حدیث نمبر: 6541)

''کسی انسان کے لئے اتنا شر ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''

(سنن الترمذی، ابواب البرّ والصلة، باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم، حدیث نمبر: 1927)

اب اس کو بھی امانت کے تعلق میں بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ ساری امانتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مومن بندوں پر اور ان کا فرض ہے کہ ان تمام امانتوں کے حق ادا کریں۔ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر نہ سمجھے۔ اب اس میں مسلمان بھائی ہونا بھی تو لازم ہے۔ بعض لوگ حرکتیں ایسی کرتے ہیں جو ذلیل اور کمینی حرکتیں ہیں اگر انہیں کہا جائے یہ تو کمینی بات ہے، تم ذلیل حرکت کر رہے ہو تو یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ تم اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھ رہے ہو کیونکہ جو مسلمان بھائی ہو وہ ایسی بات کر سکتا ہی نہیں۔ یہ پہلو بھی تو ہے جس پر غور کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ کسی کو حقیر نہ سمجھے۔ حقیر کو تو حقیر ہی سمجھنا پڑے گا۔ گندی فطرت والا انسان ہے کیسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ گندی فطرت کا نہیں ہے مگر 'مسلمان بھائی' اس سے رسول اللہ ﷺ ہرگز یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ کسی قسم کی کوئی گھٹیا بات کرے۔ پس مسلمان بھائی کو حقیر نہ سمجھو، جو مسلمان بھائی کی تعریف ہی میں نہیں آتا اس کا مضمون الگ ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں تو معاشرے میں بہت سا فساد پھیل سکتا ہے یعنی آپ کسی کے متعلق کہیں کہ وہ گھٹیا نظر آتا ہے اور دوسرا کہے کہ تم نے اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھا ہے۔ اب وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرا فتویٰ درست ہے اور

وہ واقعۃً گھٹیا ہے۔ ان امور کا فیصلہ کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن تک کسی معاملہ کی تفصیل پہنچی ہو۔ جہاں تک سوسائٹی کا تعلق ہے اس میں احتیاط لازم ہے ورنہ ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مسلمان رہا ہی نہیں اس لئے میں اس کو حقیر سمجھتا ہوں تو ہر شخص کے اسلام کے فتوے جاری ہو جائیں گے اور عملاً ساری سوسائٹی غیر مسلم ہو جائے گی۔

پس اس بات کو خاص طور پر ذہن نشین رکھ لیں کہ حقیر سمجھنا سوسائٹی میں عام عادت کے طور پر اپنانا ظلم ہے۔ اگر آپ اس کو عادت کے طور پر اپنائیں گے تو آپ کے اندر بھی تکبر پیدا ہوگا اور جس شخص کو آپ ذلیل سمجھ رہے ہیں ہو سکتا ہے وہ اللہ کی نظر میں ذلیل نہ ہو اور اس طرح آپ خود اللہ کی نظر میں ذلیل ہو جائیں گے۔ تو یہ ساری باریک راہیں ہیں تقویٰ کی۔ جب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تقویٰ یہاں پر ہے تو واضح ہے کہ یہ ساری تقویٰ کی باریک راہیں ہیں جن کو ہم نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے سیکھنا ہے اور ان کو باریکی سے نہیں سیکھیں گے تو تقویٰ یہاں پر ہے کے مضمون کا حق ادا ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرت ﷺ تقویٰ کی باریک ترین راہوں پر سے گزرے ہیں۔ جب آپ ﷺ سے تقویٰ سیکھنا ہے تو تقویٰ کی لطافتیں سیکھنا لازم ہے اس کے بغیر ہرگز یہ تقویٰ جو آپ سیکھ رہے ہیں وہ کاملۃً رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں سیکھا ہوا تقویٰ نہیں ہوگا بلکہ باریک رستے ہیں جن پر چلنا پڑتا ہے اور میں تو یقین رکھتا ہوں کہ پل صراط دراصل اسی بات کا مظہر ہے ایک اتنا باریک تار کہ جس کے اوپر چلنا ناممکن دکھائی دیتا ہے ایک طرف جنت ہے ایک طرف جہنم کے شعلے ہیں۔ اور وہ لوگ جو خدا کے نزدیک تقویٰ کی باریک راہوں پر چلتے ہیں ان کو کوئی خوف نہیں تو باریک تار سے مراد یہ نہیں ہے کہ سچ مچ کا کوئی تار کھینچا جائے گا، اس پر چلنے کا حکم ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ اس زندگی میں ہی آپ نے اپنا پل صراط بنانا ہے۔ اگر آپ تقویٰ کی باریک راہوں کو سیکھیں گے، غور کریں گے تو رفتہ رفتہ آپ کو احتیاط سے چلنے کی عادت پڑ جائے گی۔ جو قدم اٹھائیں گے پھونک کر اٹھائیں گے اور اس صورت میں اگر گرے بھی تو جنت کی طرف گریں گے، جہنم کی طرف نہیں گریں گے۔ پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے جو تقویٰ کی باریک راہیں ہمیں سکھائی ہیں ان پر عمل کئے بغیر ہماری سوسائٹی سدھر سکتی ہی نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر جو روشنی ڈالی ہے میں ایک دو اقتباس اس کے پڑھ کر سناتا ہوں باقی یہ مضمون ابھی ختم نہیں ہوسکا اس لئے وہ اگلی آیات کا مضمون شروع نہیں ہوسکتا۔فرمایا:

''پھر چہارم درجہ کے بعد پانچواں درجہ وجود روحانی کا وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔(المومنون:9)''

''وہ لوگ''، یعنی ترجمہ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں ''یعنی پانچویں درجہ کے مومن جو چوتھے درجہ سے بڑھ گئے'' یہ یعنی کے تابع ہیں تشریحی اور تفسیری ترجمہ ہے الفاظ نہیں ہیں ترجمہ کے:

''یعنی پانچویں درجہ کے مومن جو چوتھے درجہ سے بڑھ گئے ہیں وہ ہیں جو صرف اپنے نفس میں یہی کمال نہیں رکھتے جو نفس امّارہ کی شہوات پر غالب آ گئے ہیں اور اس کے جذبات پر ان کو فتح عظیم حاصل ہوگئی ہے بلکہ وہ حتی الوسع خدا اور اس کی مخلوق کی تمام امانتوں اور تمام عہدوں کے ہر ایک پہلو کا لحاظ رکھ کر تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ:207)

اب یہ تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنے کا ایک نیا مضمون ہے جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام بیان فرما رہے ہیں۔ عام طور پر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ شہواتِ نفسانی سے بچنے کا نام ہی تقویٰ ہے حالانکہ شہواتِ نفسانی سے بچنے کے بعد انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ تقویٰ کا مضمون سیکھے یعنی اس کی باریک راہوں پر چلنا یہ شہوات سے بچنے کے بعد کی بات ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو اپنے غصّوں، اپنی شہوات کے مغلوب رہتے ہیں وہ تقویٰ سیکھ ہی نہیں سکتے۔ سر دست میں اسی بات پر اکتفا کرتا ہوں باقی مضمون کو انشاء اللہ بعد میں بیان کروں گا کہ اپنے نفسانی جذبات پر غالب آنا یہ تقویٰ نہیں ہے، یہ تقویٰ کی تیاری ہے کیونکہ وہ لوگ جو نفسانی جذبات پر غالب نہیں آ سکتے مثلاً غصّہ ان پر غلبہ پالیتا ہے، منہ سے بےہودہ باتیں نکل پڑتی ہیں یا دوسروں کے ساتھ معاملہ میں بھی جلد بازی سے کام لیتے ہیں ان چیزوں سے بچنے کا نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تقویٰ نہیں ہے ان سے بچنے کے بعد تقویٰ کا سفر شروع ہوگا۔

پس میں اُمید رکھتا ہوں کہ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ اپنے آپ کو تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے کے لئے اس حد تک تیار کر لے گی کہ ابتدائی شرط ضرور پوری ہو جائے۔ وہ ان جذبات اور کئی قسم کی باتیں ہیں جن کی تفصیل میں مجھے جانے کی ضرورت نہیں ہے مگر آئے دن انسان کا امتحان ہوتا رہتا ہے، آئے دن انسان کو یہ مراحل درپیش ہیں کہ وہ اپنے نفس کے غلبہ کے تابع ہی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ جب فیصلہ کرتا ہے نفس کے جوش کے نتیجہ میں فیصلہ کرتا ہے تو اس جوش کو ٹھنڈا کرو، اس جوش کو جو ایک آگ ہے اس کو بجھاؤ۔ اس آگ کو بجھانے کا نام تقویٰ نہیں ہے۔ یہ آگ بجھے گی تو پھر آپ کو وہ جنت نصیب ہو گی جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئی تھی یعنی آگ گلزار اس طرح بنائی جاتی ہے پہلے اس کے شعلوں کو ٹھنڈا کر دو پھر ان میں سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ گلزار پھوٹے گا جس کا نام تقویٰ ہے۔ وہ ایک باغ ہے جنت کا جو تقویٰ کے نتیجہ میں نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین